ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

محبت صحابہ کا تقاضا

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں آپ سے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت کا، عقیدت کا اور ان کے تذکروں کا، ان کا نام لینے کا، ان کی طرف نسبت کرنے کا حق ہے کہ آپ ان کی پوری زندگی اپنے لیے نمونہ بنائیں، یہ نہیں کہ صرف ان کی حمایت میں جوش میں آجائیں، اور مدح صحابہ کا جلوس نکالیں، ان کے نام پر بڑے بڑے جلسے کریں، لیکن عمل کا جہاں تعلق ہے، زندگی کا تعلق ہے وہ بالکل اس سے علیحدہ!"

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(خطبات علی میاںؒ: ۷/۲۰۰)

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

₹ 10/-

NOV 18

بعثت نبوی ﷺ کا مقصد

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

''صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ نہ جلوس ہے نہ جلسہ ہے، نہ چراغاں ہے نہ جھنڈی ہے اور نہ سجاوٹ ہے، لیکن ایک چیز ہے، وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ زندگیوں میں رچی ہوئی ہے، ان کا ہر دن سیرت طیبہ کا دن ہے، ان کا ہر لمحہ سیرت طیبہ کا لمحہ ہے، ان کا ہر کام سیرت طیبہ کا کام ہے، کوئی کام ایسا نہیں تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے خالی ہو، چونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ اپنا دن منوائیں، اپنی تعریفیں کرائیں، اپنی شان میں قصیدے پڑھوائیں، خدا نہ کرے اگر یہ مقصود ہوتا تو جس وقت کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سردار بنانے کے لیے تیار ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت کے طلب گار ہیں تو مال و دولت کے ڈھیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لانے کے لیے تیار ہیں، اگر آپ حسن و جمال کے طلب گار ہیں تو عرب کا منتخب حسن و جمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذر کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات کو چھوڑ دیں اور یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں مطلوب ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیتے، سرداری بھی ملتی، روپیہ پیسہ بھی مل جاتا اور دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہوتیں، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور ایک ہاتھ میں ماہتاب بھی لا کر رکھ دو گے تب بھی میں اپنی تعلیمات سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس لیے تشریف لائے تھے کہ لوگ میرے نام پر عید میلاد النبی منائیں؟ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا منشا وہ ہے جو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الأحزاب: ۳۳) یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے پاس بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم ان کی نقل اتارو، اور اس شخص کے لیے بھیجا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۰ | نومبر ۲۰۱۸ء - صفر المظفر ۱۴۴۰ھ | شمارہ: ۱۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

نگران: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخداندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

شان صحابہ رضی اللہ عنہم

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾

(محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ انکاریوں پر زورآور ہیں آپس میں مہربان ہیں آپ انھیں رکوع اور سجدے کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں)

(الفتح: ۲۹)

فی شمارہ: Rs.10/- | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: Rs.100/-

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فہرس

اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے (اداریہ)....۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی..........

پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب انگیز کارنامہ............۴
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ..........

اصحاب کہف..............۶
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ..........

اشاعت اسلام میں صحابہ کرام کا کردار............۸
حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ..........

دعا-عبادت کا مغز..................۱۲
مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ..........

ایثار و مواسات کیا ہے؟............۱۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی..........

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کے چند مسائل..........۱۵
مفتی راشد حسین ندوی..........

فرعون کا انجام..................۱۷
عبدالسبحان ناخدا ندوی..........

ترکی اور امریکہ کی کشمکش..............۱۹
جناب عبدالباری مومن (بھیونڈی)..........

صحابہ کرامؓ کی آزمائشیں..............۲۰
علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ..........

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

زینتِ محفلِ حیات

نتیجۂ فکر:-(مولانا ظفر علی خاں مرحوم)

اے کہ ترا جمال ہے زینت محفل حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوٰۃ

تیری جبیں سے آشکار پرتو ذات کا فروغ
اور ترے کوچہ کا غبار سرمۂ چشم کائنات

بارگہِ الست سے بخش دیے گئے تجھے
سب ملکی تصرفات، سب فلکی تجلیات

چہرہ کشا کرم ترا قاف سے تا بہ قیرواں
لطف ترا کرشمہ سنج کعبہ سے تا بہ سومنات

دیکھتے ہی ترا جلال کفر کی صف الٹ گئی
جھک گئی گردنِ ہبل ٹوٹ گیا طلسم لات

آنکھ کے اک اشارے سے تو نے معاً بدل دیے ذہن
کے سب تصورات قلب کے سب تاثرات

چوں وچگونہ وچراؑ تا بکجا و تا بکے
حل کیے ایک بات میں تو نے یہ سرمدی نکات

غیر کو خویش کردیا، نیش میں نوش بھر دیا
پل میں درست کردیے بگڑے ہوئے تعلقات

تیری ثنا میں تر زباں ہوگیا جو مری طرح
اس کے قلم میں آگئی شانِ روانی فرات

پست وبلند کے لیے عام ہیں تیری رحمتیں
عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

مدیر کے قلم سے

اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ساڑھے چودہ سو سال پہلے اسلام کا آغاز کسمپرسی کے حال میں ہوا تھا، اس کے ماننے والے کتنے تھے! پھر یہ روشنی پھیلی اور پھیلتی ہی چلی گئی، دنیا میں بہار آگئی، انسانیت کا باغ لہلہانے لگا، ستم رسیدہ اور زخم خوردہ انسان نے جو اپنی حقیقت بھول چکا تھا انگڑائی لی اور جانوروں کی دنیا میں انسانوں کا ایک جہان آباد ہوا، یہ قافلہ چلتا رہا، صور پھونکتا، لوگوں کو جگاتا، افریقہ کے جنگلوں کو پار کرتا، یورپ کے چمنستانوں تک پہنچا، پوری دنیا میں بہار آگئی، اب وہی قافلہ ہے لیکن وہ حدی خواں نہ رہے، آج وہ اپنے دیس میں پردیسی ہے، مسلمان نام کی امت ''مرحوم'' ہے، جس نے خود اسلام سے بغاوت کر رکھی ہے، اسلام اپنے گھر میں کسمپرسی کے حال میں ہے، وہ لوگ جو نمائندۂ رسول ﷺ کہلاتے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے کوسوں دور دنیا کی جہالتوں میں بھٹک رہے ہیں، خوفناک تاریکیوں نے ان کو گھیر رکھا ہے، اور روشنی کی کرن نظر نہیں آتی، ایمان کی حرارت کا حال یہ ہے کہ ؎

اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

نہ وہ ایمان کا یقین رہا، نہ وہ اخلاق کی جہانگیری رہی ؎

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

اس کسمپرسی کے عالم میں روشنی کی کرن ہے تو سیرت رسول اکرم ﷺ ہی ہے، آنحضور ﷺ کی زندگی، صحابہ کی زندگی جس کا عکس جمیل ہے، یہی کامیابی کی شاہ کلید ہے، دنیا مسلمانوں میں وہ نمونہ تلاش کر رہی ہے جس کی دنیا کو ضرورت ہے، اقوام متحدہ (United Nations) نے برملا اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ اسلام ہی سب سے بہتر مذہب ہے، اور ابھی دنیا کی ٹاپ ۲۶ ریونیورسٹیوں کے اکیڈمکل ماہروں (Academical Experts) کی ٹیم نے سروے کیا اور پوری جزئیات کے ساتھ کیا، اور وہ مجبور ہوئے اس اعتراف پر کہ اگر کوئی مذہب ہے تو صرف اسلام! لیکن جب اس پر عمل کی بات آئی، اس کے سماجی و اخلاقی نظام زندگی کا عملی تجزیہ کیا گیا تو مسلمان ملکوں کو کہیں مقام نہ ملا، اسلام کچھ اور نظر آیا اور مسلمان کچھ اور!

آج سب سے بڑھ کر ضرورت ہے اس فاصلہ (Gap) کو دور کرنے کی اور اسلام اور مسلمانوں کے درمیان اس خلا کو پاٹنے کی جس نے اسلام کے راستہ میں سد سکندری حائل کر دی ہے، سیرت آواز دے رہی ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی محبوبیت کا راستہ تو وہی تھا جو خالق ارض وسماء نے پہلے ہی دن بتا دیا تھا، نبی کے راستہ پر آجاؤ اللہ تم سے محبت کرے گا، اور اللہ کی محبت عالم کی محبت کی نشانی ہے، محبوب رب العالمین کی امت کے لیے صرف یہی ایک راستہ ہے کہ وہ اپنے عقائد میں، عبادات میں، معاملات و معاشرت اور خلاق میں دوبارہ سیرت کو اپنے لیے نمونہ بنائے، اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھال لے، دنیا اس نمونہ زندگی کی پیاسی ہے اور وہ نمونہ کتابوں میں بند ہے، اس کی روشنی اگر مسلمانوں کی زندگی سے پھوٹنے لگی تو دنیا کے روشن ہونے میں کیا دیر ہے؟!

پیغمبر انقلاب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انقلاب انگیز کارنامہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

غار حراء میں پہلی وحی کے نزول سے پہلے انسانی زندگی کا فطری بہاؤ رکا ہوا تھا، اس کے ہر دروازے پر بھاری بھاری قفل چڑھے ہوئے تھے اور وہ گویا چند مقفل دروازوں اور کچھ تالوں کا مجموعہ بنی ہوئی تھی۔

چودہ سو برس پہلے متمدن دنیا سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے خشک پہاڑ کے اوپر گمنام اور ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غار حرا) میں دنیا کا وہ عقدۂ لاینحل حل ہوا، جو نہ بڑی بڑی حکومتوں کی راج دھانی میں حل ہوسکا، نہ عظیم درسگاہوں میں حل ہوسکا اور نہ علم وادب کے پر شکوہ ایوانوں میں حل ہوسکا، یہاں پروردگار عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صورت میں عالم انسانیت پر ایک احسان عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گم شدہ کنجی پھر سے انسانیت کو مل گئی، یہ کنجی ہے اللہ پر ایمان، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور یوم آخرت پر ایمان، اس کنجی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں کے ان بند قفلوں کو ایک ایک کر کے کھول ڈالا جس کے نتیجہ میں حیات انسانی کے ہر ہر شعبہ کے دروازے چوپٹ کھل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کی اس کنجی کو عقل کے قفل پر پرکھا، تو اس کی ساری گرہیں کھل گئیں، اس کی سلوٹیں اور اس کے پیچ وخم دور ہوگئے، اسے نشاط فکر حاصل ہوگیا، اور وہ اس قابل ہوگئی کہ انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی خدا کی پریشانیوں سے نفع اندوز ہوسکے، اس کائنات میں غور کر کے اس کے خالق کو پاسکے، کثرت کے پردوں کو چیر کر وحدت کا جلوہ دیکھ سکے اور شرک وبت پرستی، اوہام وخرافات کی لغویت کو سمجھ سکے۔

اس کنجی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے ضمیر کا قفل کھولا، سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا اور اس کے مردہ شعور واحساس میں حرکت اور زندگی پیدا ہوئی، ضمیر کی روک تھام سے آزاد ہو کر نفس انسانی جو صدیوں سے نفس امارہ بنا ہوا تھا اب وہی نفس مطمئنہ بن گیا، جس کے بعد اس میں کسی باطل کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی اور گناہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگیا، اس حد تک کہ گناہ گار آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر از خود اپنے گناہ کا اظہار واقرار کر کے اپنے لیے سخت ترین سزا کی درخواست کرتا ہے، ایک گناہ گار عورت اپنے لیے سنگ ساری کی سزا کی درخواست کرتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم عذر شرعی کی وجہ سے سزا کو کچھ دن کے لیے مؤخر فرماتے ہیں، وہ اپنے دیہات کو واپس چلی جاتی ہے، نہ اس کی نگرانی کے لیے پولیس، سی آئی ڈی متعین ہے، نہ مجرمہ وقت پر حاضر کرنے کے لیے پولیس متعین ہے، لیکن بروقت پھر مدینہ پہنچتی ہے اور خود کو اس سزا کے لیے بخوشی اور باصرار پیش کرتی ہے، جو یقیناً قتل سے بھی زیادہ سخت ہے (یعنی سنگ ساری) فتح ایران کے وقت ایک غریب فوجی کے ہاتھ کسریٰ کا زریں تاج آتا ہے، وہ اس کو کپڑوں میں چھپالیتا ہے اور خفیہ طور سے اپنے امیر کی خدمت میں لے جا کر پیش کر دیتا ہے، تاکہ ادائے امانت تو ہو، لیکن امانت باری کی نمائش نہ ہو۔

انسانوں کے وہ دل جو اس طرح مقفل پڑے ہوئے تھے کہ ان میں عبرت پذیری تھی، نہ خوف خدا تھا اور نہ رقت اور نرمی تھی، یہ کنجی جب ان دلوں پر لگائی گئی تو یکسر کایا پلٹتی ہوئی نظر آئی، اب وہ خدا کے خوف سے ہر دم لرزاں وترساں تھے، حوادث وواقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے، انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں کا وجود اب ان کے لیے نفع بخش تھا، مظلوموں کا حال زار دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور غریبوں اور بے کسوں کے ساتھ نفرت وحقارت کا برتاؤ کرنے کے بجائے محبت وشفقت کا برتاؤ کرنے لگے، اسی طرح نبوت کی اس کنجی نے جب انسانوں کی ان فطرتی صلاحیتوں اور قوتوں کو چھوڑا جو عرصہ سے ٹھہری پڑی تھیں اور نفع بخش ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہو رہی تھیں تو وہ شعلوں کی طرح بھڑک اٹھیں اور سیلاب کی طرح موجیں مارتی ہوئی ابل پڑیں اور صحیح رخ پر لگ گئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاحیتوں کے ابھرنے کا موقع نہ ملنے

کی وجہ سے جو لوگ بکریوں کی گلہ بانی میں ضائع ہو رہے تھے، وہ اب بہترین طور پر قوموں کی نگہبانی اور عالم کی فرماں روائی کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے لگے اور جو شخص کل تک صرف کسی قبیلے کا ایک ایک شہر کا نامور شہسوار شمار کیا جاتا تھا، وہ اب بڑی بڑی سلطنتوں اور ایسے ایسے ملکوں کا فاتح ثابت ہوا جو قوت و شوکت میں یکتا تھا۔

اس کنجی سے آپ نے درس گاہوں کے قفل کھولے اور ان میں ازسرنو چہل پہل اور رونق پیدا کی، حالانکہ علم کی کساد بازاری اور معلمین کسمپرسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ نہ معلم کو دلچسپی رہی تھی اور نہ متعلمین کو، آپ ﷺ نے علم کی قدر و قیمت یاد دلائی، اہل علم کا مرتبہ یاد دلایا اور علم و دین کا باہمی تعلق سمجھایا، چنانچہ لوگ درس گاہوں کی ترقی کے لیے دامے درمے قدمے کوشاں ہو گئے، مسلمان اپنے حق میں متعلم اور دوسرے کے حق میں معلم بن گیا، کیونکہ ان کا دین ہی خود طلب علم کے لیے سب سے بڑا محرک تھا۔

آپ ﷺ نے اسی کنجی سے عدالت کا تعطل ختم کیا، اب ہر قانون دان اس قابل تھا کہ اس پر ایک منصف جج کی حیثیت سے اعتماد کیا جا سکے اور ہر مسلمان حاکم اعلیٰ درجہ کا منصف شعار حاکم تھا، اور یہ سچے مسلمان سب کے سب محض اللہ کے لیے سچی شہادتیں دینے والے تھے، جب اللہ اور آخرت کے حساب و کتاب پر ایمان استوار ہوا، تو عدل و انصاف کی فراوانی ہوئی، بے انصافیاں اور بدمعاملگیاں کم سے کم تر ہو گئیں، اور جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے ناپید ہو گئے، خاندانی معاملات جو اس قدر ابتر ہو گئے تھے کہ باپ بیٹے کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان کشاکش اور چھین جھپٹ کا میدان گرم تھا، پھر یہ عیسائی خاندانوں کے محدود میدان سے نکل کر معاشرے کے وسیع میدان میں بھی پہنچ گئی تھی، یہی کشاکش نوکر اور مالک کے تعلقات میں بھی برپا تھی، ہر ایک کا یہ حال تھا کہ اپنا حق کسی طرح بھی چھوڑنا نہ چاہتا تھا اور دوسرے کا حق کسی طرح دینا نہ چاہتا تھا، خود اگر کوئی خریدتا، ناپ تول میں ذرا ذرا سی اونچ نیچ پر باریک بینی سے نظر رکھتا، لیکن اگر دوسرے کے ہاتھ بیچتا تو کم سے کم ناپنے اور تولنے میں پوری پوری مہارت بہم پہنچاتا ہے، آپ ﷺ نے اس خاندانی اور معاشرتی نظام کے عقدوں کا حل بھی اسی کنجی سے کیا، خاندان اور معاشرے میں ایمان کا بیج بویا۔

آپ ﷺ نے خاندان اور معاشرے کے افراد میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں ڈالیں، اسی طرح ازسرنو خاندانی نظام کو بھی عدل، محبت اور راستی کی بنیادوں پر قائم فرمایا اور معاشرے کو بھی اعلیٰ درجہ کا عدل شعار بنایا، معاشرے کے ہر ہر عضو میں امانت داری کا ایسا گہرا شعور اور خدا ترسی کا ایسا شدید احساس بیدار کر دیا کہ اس معاشرے کے امراء اور عہدے داران تک پرہیزگاری اور سادہ زندگی کے نمونے بن گئے، قوم کے سردار اپنے تئیں قوم کے خادم سمجھنے لگے، والیان سلطنت اپنی حیثیت یتیموں کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے کہ اگر اپنی ذاتی ملکیت کچھ ہے تو سلطنت کے مال و دولت سے کچھ مطلب نہیں، اگر نہیں ہے تو بقدر ضرورت لینے پر قناعت ہے، اسی ایمان کی بدولت آپ ﷺ نے دولت مندوں اور تاجروں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے دلچسپی پیدا کی، انہیں بتلایا کہ مال اصل میں اللہ کا ہے، تمہیں اس نے اس تصرف میں اپنا نائب بنایا ہے۔

''اور خرچ کرو اس (مال و دولت) میں سے جس میں اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے اور دو ان کو (ضرورت مندوں کو) اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔''

''اور وہ لوگ جو سونا چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ انہیں بشارت دے دیجئے دردناک عذاب کی، اس دن جب کہ ان کے خزانوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں کروٹیں اور پشتیں داغی جائیں گی، لو! یہ ہے تمہارا جمع کیا ہوا اب چکھو اس کا مزہ۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعہ سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں اتارا تھا وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا، نیک خوئی کو پسند کرنے والا، اللہ کے خوف سے ڈرنے والا، امانت کا پاس کرنے والا، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا، وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لیے بنائی گئی ہے، لیکن میں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت سچا اور ایمان دار ثابت ہوتا (باقی صفحہ ۷ پر)

اصحابِ کہف

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظاً وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَاراً وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْباً﴾ (الکہف: ١٨)

(اور آپ (ان کو دیکھتے تو) ان کو جاگتا سمجھتے جبکہ وہ سو رہے تھے اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ دیتے رہتے تھے اور ان کا کتا دونوں ہاتھ پسارے چوکھٹ پر (بیٹھا) تھا، اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلتے اور یقیناً آپ کے اندر ان کی دہشت سما جاتی)

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی حفاظت کے واسطہ ان کو سلا دیا تھا، تاکہ وہ عافیت سے ہو جائیں، اور ہر وقت فکر مندی لاحق نہ رہے، ظاہر ہے اگر جگتے رہتے تو ہر وقت ڈرے رہتے کہ کہیں کوئی آنہ جائے، اور اسی بات کی طرف ذہن لگا رہتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے آرام کا انتظام کر دیا کہ وہ سو جائیں، اور ایسی نیند کا انتظام کیا کہ پورا دور بدل جائے، یعنی ان کا علاقہ کفر سے اسلام کی طرف آجائے، اور وہاں کے ظالم لوگ ختم ہو جائیں، اور وہاں دین اور حق کے ہمدرد لوگوں کا اقتدار آجائے۔ اس مرحلہ کے آنے میں تین سو سال سے زائد مدت لگی، اس کے بعد وہاں انقلاب ہوا، اور وہاں اہل اسلام و ایمان کی حکومت آگئی جو کہ ہمدرد حکومت تھی، اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کو بیدار کر دیا۔

یقینی بات ہے کہ جو شخص اتنی لمبی مدت تک سوئے گا تو اس کے جسم کی ضروریات اس تک نہیں پہنچیں گی، اور وہ جسم بے کار ہو جائے گا، لیکن یہی معجزہ ہے کہ اللہ نے اس کے باوجود ان کو صحت مند رکھا، اور ان کے جسم کے تقاضوں کو اللہ نے اپنے غیب سے پورا کیا، اسی لیے آیت بالا میں ارشاد ہے کہ تم ان کو سمجھو گے وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سو رہے تھے، اور ہم نے ان کے لیے ایسا انتظام کر دیا تھا کہ وہ دائیں اور بائیں کروٹ بھی لے سکیں، اس لیے کہ اگر جسم ایک ہی جگہ پڑا رہتا تو جسم کو ضرر پہنچتا۔ جاگنے کا مطلب ہے کہ وہ اس طرح لیٹے تھے کہ دیکھنے والا سمجھتا یہ جاگ رہے ہیں، یعنی جاگنے کا انداز تھا، لیکن حقیقت میں وہ آرام کر رہے تھے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی لیٹا ہوتا ہے، اور نیند نہیں آرہی ہوتی تو جاگ رہا ہوتا ہے، اور بستر پر ایسا معلوم بھی ہوتا ہے کہ یہ شخص جاگ رہا ہے۔

اصحاب کہف کے ساتھ ان کا کتا بھی تھا، جس کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو پھیلائے ہوئے بالکل نگہبان کی طرح سامنے بیٹھا تھا، یہ کتا بھی سو رہا تھا، لیکن سوتا ہوا معلوم نہیں ہو رہا تھا، ظاہر ہے ایسی غار میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا، آدمی دور سے دیکھے گا تو سمجھے گا کہ یہاں کتا رہتا ہے ادھر نہ جاؤ، گویا اللہ نے یہ انتظام کر دیا کہ کوئی بھولا بھٹکا شخص بھی ادھر نہ آئے، اس لیے کہ ایسی جگہ پر جہاں کوئی آبادی نہ ہو، ممکن ہے کہ کبھی کوئی شخص شکار کی غرض سے نکلے اور ادھر غار تک آجائے، اور پھر جب وہ انسانوں کو دیکھے تو ان سے بات کرنے کی ہمت بھی کرے، لیکن جب کتے کو دروازے پر بیٹھا دیکھے گا تو سمجھے گا کہ یہ کتے کا گھر ہے، ادھر نہ جاؤ، اس طرح یہ بات ظاہر نہ ہوگی کہ یہاں کچھ لوگ چھپے ہیں، اور یوں بھی کتے کو دیکھ کر لوگ سمجھیں گے کہ یہاں آدمی نہیں ہو سکتے، یہ کتے کا بھٹ ہے، اس میں آدمی کہاں بیٹھے گا۔

آگے فرمایا کہ ان لوگوں کا کتا حفاظت کی جگہ پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، اگر تم غار تک پہنچ جاؤ تو وہاں سے فوراً بھاگو گے، یعنی خوف زدہ ہو جاؤ گے، کیونکہ کتا اس طرح بیٹھا ہے اور گھور رہا ہے کہ کہیں آنے والے پر حملہ نہ کر دے، اس لیے اس کے قریب نہیں جاؤ گے، اور اس کو دیکھ کر رعب میں آجاؤ گے، یعنی کتے کی اور ان لوگوں کے لیٹے رہنے کی جو کیفیت ہے، وہ ایسی ہے کہ بظاہر وہ جاگ رہے ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ اتنے آدمی لیٹے ہیں اور ایک کتا ان کی نگہبانی کر رہا ہے، اسی لیے یہ منظر دیکھ کر آدمی گھبرا جائے گا۔

﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْماً أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ

فَابۡعَثُوا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمۡ هَٰذِهِ إِلَى الۡمَدِينَةِ فَلۡيَنظُرۡ أَيُّهَا أَزۡكَىٰ طَعَامًا فَلۡيَأۡتِكُم بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ وَلۡيَتَلَطَّفۡ وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ أَحَدًا﴿

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر ہم نے ان کو بیدار کیا، تو وہ آپس میں بات کرنے لگے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے، کہ ہم کتنے وقت یہاں رہے؟ ظاہر ہے انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ لمبی عمر تک سوئے ہیں، اور ان کا ذہن بھی یہیں تک جا سکتا تھا کہ ہم دن بھر اور رات بھر سوئے ہیں، اس سے زیادہ ان کا ذہن کیا جاتا، اسی لیے انہوں نے آپس میں کہا؛ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ بڑا حصہ سوئے ہیں، اور پھر یہ بھی انہوں نے کہا؛ ہم خود فیصلہ نہیں کر سکتے، اللہ کو زیادہ معلوم ہے کہ ہم کتنی دیر اس غار میں رہے ہیں۔

اس مختصر سی گفت وشنید کے بعد انہیں میں سے کسی نے کہا؛ یہ بات چھوڑو، اللہ جانتا ہے کہ ہم کتنا سوئے، اصلاً ہم یہاں چھپنے آئے ہیں، تو ٹھیک ہے کم سوئے ہوں یا زیادہ، کیا فرق پڑتا ہے، فی الحال بھوک لگی ہے، لہٰذا کچھ کھانے کا نظم ہونا چاہیے، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک شخص کو چاندی کے سکے دیے اور باہر سے کھانے کا سامان منگایا، چاندی کے سکے کے لیے ''ورق'' کا لفظ آیا ہے، اس زمانہ میں سکہ عام طور پر چاندی کا ہوتا تھا، سکہ سونے اور چاندی دونوں کا ہوتا ہے، لیکن سستا سکہ چاندی کا ہوتا ہے اور سونے کا گراں ہوتا ہے، اس لیے ورق کا جو لفظ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاندی کا سکہ تھا، تو انہوں نے اپنے ساتھی سے کہا؛ اس سکہ کو لے جاؤ اور کچھ خرید لاؤ اور اس بات کا خیال رکھنا کہ پاکیزہ کھانا لانا حرام کھانا نہ لانا، اس لیے کہ کفار کا ماحول ہے، وہاں حرام وحلال کی قید نہیں ہے، اس لیے وہ کھانا لانا جو زیادہ پاکیزہ ہو، اور جاتے وقت بہت احتیاط وحکمت سے کام لینا، اس طرح کہ کسی کو محسوس نہ ہو کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس لیے کہ اگر ان کو پتہ چل گیا اور وہ تم سے واقف ہو گئے، تو یاد رکھو وہ لوگ تمہیں سنگسار کر دیں گے، اور پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے، یا تم کو اپنے مذہب میں واپس لے آئیں گے، اور پھر تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے، یعنی اگر تم اللہ کے دین سے ہٹ جاؤ گے تو برباد ہو جاؤ گے اور اگر نہیں ہٹو گے تو وہ لوگ تم کو مار کر ختم کر دیں گے۔

بقیہ: پیغمبر انقلاب (ﷺ) کا انقلاب انگیز کارنامہ

اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور ایمان دار اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا، اگر مالدار ہو جاتا تو ایک رحم دل اور فیاض دولت ثابت ہوتا، اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا، اگر کرسی عدالت پر بیٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھ دار منصف جج ثابت ہوتا، اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے غرض حکمران ثابت ہوتا، اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج آقا ہوتا، اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرماں بردار، اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آجاتا تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا۔

یہ تھیں وہ اینٹیں جن سے اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی گئی اور جن پر اسلامی حکومت کی عمارت کھڑی کی گئی، اسی بناء پر یہ سوسائٹی اور حکومت بڑے پیمانے پر افراد کے اخلاق کی نفسیات اور ان کے طرز حیات کی مظہر تھی، افراد میں جو چیزیں تھیں وہ سب کی سب معاشرت میں جمع ہو گئیں تھیں، اس کے تاجر کی سچائی اور ایمانداری اس میں تھی۔

اس کے غریب کی خودداری اور مشقت کوشی اس میں تھی، اس کے مزدور کی محنت کشی اور بہی خواہی اس میں تھی، اس کے دولت مندی کی فیاضی اور غم خواری اس میں تھی، اس کے جج کی فراست اور عدالت اس میں تھی، اس کے حکمرانوں کا خلوص اور دیانت داری اس میں تھی، اس کے آقا کا انکسار اور رحم دلی اس میں تھی، اس کے خادم کی جفاکشی اور چستی اس میں تھی، اور اس کے خزانچی کی نگرانی اور بے داری بھی اس میں تھی، اسلامی سوسائٹی جس طرح اپنے افراد کی خوبیوں کی مظہر اتم تھی، اسی طرح اسلامی حکومت بھی تمام خوبیوں کی جامع، بلکہ ان کا قومی محرک بن گئی تھی، یہ حکومت راست رو تھی، عقیدوں اور اصولوں کو منافع اور مصالح پر ترجیح دیتی تھی، عوام کو لوٹنے کے بجائے ان کے اخلاق وعقائد کو بنانے اور سنوارنے کی دل سوزی سے کوشش کرتی تھی، سوسائٹی اور حکومت کے اثرات کا نتیجہ یہ تھا کہ انفرادی اور اجتماعی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کا ہر گوشہ ایمان وعمل، صدق وخلوص، محنت و کوشش اور عدل وانصاف سے سجا ہوا اور ان سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ دنیا میں دوبارہ وہ بہاریں لوٹا دے، اسی دعا کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

اشاعت اسلام میں صحابہ کرام کا کردار

بقلم:- حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ

ترجمانی:- محمد ارمغان بدایونی ندوی

مثل مشہور ہے کہ ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے'' چنانچہ جو درخت جتنا گھنا ہوگا، اونچی ٹہنیوں اور گہری جڑوں والا ہوگا، اس کے سایہ میں بیٹھنے والا اس سے اتنا ہی زیادہ لطف اندوز ہوگا، اگرچہ یہ سایہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے، لیکن اس کا عمدہ اور ذائقہ دار پھل ہر ایک کی ضیافت طبع کا سامان ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے ہی عمدہ صفات والے درخت سے ''کلمہ طیبہ'' کی مثال دی گئی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ☆ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ☆ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ☆ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ﴾ (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال ایک اچھے درخت سے دی جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں، اپنے رب کے حکم سے وہ ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے کہ شاید وہ نصیحت پکڑیں، اور بری بات کی مثال برے درخت جیسی ہے جس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا گیا ہو، وہ ذرا بھی اپنی جگہ کھڑا نہیں رہ سکتا، اور اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے اس دنیا میں بھی مضبوط کرتا ہے اور آخرت میں بھی، اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے)

جس طرح ایک درخت اپنے پھل اور کھیتی اپنی پیداوار سے پہچانی جاتی ہے، اسی طرح ایک استاد اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے، تراجم وطبقات کی کتابوں میں جن عظیم شخصیات کے تذکرے موجود ہیں، ان کے شاگردوں کی زندگیوں کے تابندہ وتاباں علمی نقوش بھی تاریخ کی ایک سنہری کڑی ہیں، اسی طرح احسان وسلوک کی راہ طے کرنے والوں کی قابل قدر کوششوں کا تذکرہ بھی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جن کے روحانی فیوض واثرات آئندہ نسلوں تک منتقل ہوئے، تاہم ان سب باتوں کا بنیادی محور استاد ومربی کی صلاح و صلاحیت اور اس کی علمی استعداد ہے، اور شاگردوں اور مریدین کے درمیان اس کی غیر معمولی مقبولیت ومحبت ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا''۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''آپ کے اخلاق قرآن کے عین مطابق تھے'' نیز قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کے معلم ومزکی ہونے کی صفت کا تذکرہ یوں ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (وہی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ کے زیر سایہ ایسی غیر معمولی تربیت پائی کہ وہ آپ ﷺ کے مثنیٰ بن گئے، چونکہ آپ ﷺ کے نبوی مشن میں سرفہرست ''راہ حق کی دعوت'' تھی، جس کے متعلق حکم قرآنی تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (اے رسول جو آپ پر اترا ہے اسے آپ پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اس کا پیغام آپ نے نہ پہنچایا اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا بے شک اللہ انکار کرنے

والے لوگوں کو راستہ نہیں دیتا) لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو مشرکین کی ایذاء رسانیوں پر عفوودرگزر اور مکی دور میں آزمائشوں پر کھرا اترنے اور صبر سے کام لینے کی ہدایت کی، زبان نبوت نے انتہائی وجدآگیں اسلوب میں اس دور کی عکاسی کی ہے، ارشاد ہے:

’’اللہ کے راستہ میں جتنا مجھے ڈرایا گیا اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، اور راہ خدا میں جتنا مجھے ستایا گیا اتنا کسی کو نہیں ستایا گیا، واقعہ یہ ہے کہ مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں مسلسل اس حال میں گزریں کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو کسی جاندار کی غذا بن سکے، سوائے اتنی قلیل مقدار کے جسے بلال بغل میں چھپا لیتے۔‘‘

چنانچہ جو شخص بھی حلقہ بگوش اسلام ہوتا اور آپ ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھاتا اس کی حیثیت ایک داعی کی ہوتی جو راہ خدا میں ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کرنے پر آمادہ رہتا، صحابہ کرام کے تذکرے محبت اور جاں نثاری اور راہِ دعوت میں قربانیوں کے واقعات کے حقیقی آئینہ دار ہیں، جن کے مطالعہ سے بسا اوقات انسان حیرت وتعجب میں پڑ جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی نظر کرم نواز کے بعد ایک معمولی انسان کی بھی کیسی کایا پلٹ ہو جاتی تھی، اور لحہ بھر میں وہ خدا کے لیے جان دینے اور مرمٹنے کو کس طرح آمادہ ہو جاتا تھا، اور ہر مصیبت کے مقابل سراپا پیکر صبر ثابت ہوتا تھا، واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے ایسی غیر معمولی مصیبتیں برداشت کی ہیں جن کے سامنے مضبوط پہاڑ بھی ہل جائیں، انہوں نے راہ خدا میں جانی و مالی ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، اور مقدور بھر انتھک کوششیں بھی کی ہیں۔

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ تک رسائی کا ہر راستہ خطرات سے پُر اور کانٹوں سے گھرا ہوا تھا، اشراف قریش کی ایذا رسانیاں اپنے عروج پر تھیں، اور جویان حق کے لیے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر انہیں راستوں سے گذرنا ناگزیر تھا، حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ اس کی ایک کھلی ہوئی مثال ہے جب وہ نبی کریم ﷺ کی زیارت کی غرض سے اور حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی نیت سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی صحبت کیمیا اثر میں جو ہستیاں پروان چڑھیں انھوں نے آپ ﷺ سے علم وحکمت اور تزکیہ واحسان کی تعلیم حاصل کی، اور چونکہ افادہ اور استفادہ کی اصل بنیاد معلم اور مربی کے گہرے تعلق اور بے تکلفی پر ہوتی ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اصحاب کا تعلق آپ ﷺ سے اس قدر گہرا اور مضبوط تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

صحابہ کرامؓ کا نبی کریم ﷺ سے تعلق ایسا جاں نثارانہ اور فدائیانہ تھا کہ وہ آپؐ کے ہر ہر عمل کی تقلید اپنے لیے باعث شرف سمجھتے تھے، سیرت وسوانح کی کتابوں میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا نبی ﷺ سے کیسا غیر معمولی تعلق تھا، اور وہ نبوی فیوض کے حصول پر کیسے حریص رہتے تھے، اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں آپ ﷺ کی ہر ہر ادا کی تقلید کو کتنی اہمیت دیتے تھے، اور دینی ودنیوی تمام معاملات میں آپ ﷺ کی ایک ایک رہنمائی کے کیسے محتاج رہتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ بالکل آپؐ ہی کے رنگ میں رنگ گئے تھے، واقعہ یہ ہے کہ اس غیر معمولی ربط وتعلق کی مثال دنیا کے کسی لیڈر اور کمانڈر کے تذکرے میں ملنا تو درکنار سابقہ انبیاء کے تذکرہ میں بھی سوائے چند استثنائی واقعات کے ملنا مشکل ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کی مثال ستاروں سے دی ہے، ارشاد ہے: ’’میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی اتباع کرلو گے راہ یاب ہو جاؤ گے۔‘‘ ظاہر ہے ستارے اپنی روشنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، ثریا اور زہرہ بھی ان ستاروں میں شمار ہیں اور عام چاند تارے بھی اسی فہرست میں ایک ہیں، لیکن ان سب کی مشترک صفت یہ ہے کہ وہ روشنی پھیلاتے ہیں اور تاریکی دور کرتے ہیں، اور لوگ ان کے ذریعہ راستے تلاش کرتے ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں یوں ارشاد ہے: تم پر میری پیروی لازم ہے، اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی، تم اس کو مضبوطی سے پکڑلو اور دانتوں تلے دبالو‘‘

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ کی مرفوع روایت ہے:

’’انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے‘‘۔

اسی طرح ایک موقع پر جب آپ ﷺ سے نجات پانے والی جماعت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جس

پر میں اور میرے صحابہ ہوں۔“

واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نبی ﷺ کے اس غیر معمولی اعتماد پر سو فیصد کھرا اتر کر دکھادیا، اور ہر معرکہ اور آزمائش کے موقع پر مہاجرین وانصار میں تمام صحابہ نے اپنے ذاتی جوہر کھول کر رکھ دیے، اور کبھی بھی کوئی صحابی معرکوں میں شامل رہنے سے پیچھے نہیں ہٹا، اس کا نتیجہ تھا کہ جب غزوۂ تبوک میں تین صحابی کسی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ گئے، تو ان کا یہ عمل ان کے لیے بڑی آزمائش کا ذریعہ بن گیا، حضرت کعب بن مالکؓ کی آزمائش کا مشہور قصہ ان کی وفاداری کا غیر معمولی واقعہ ہے، اس زمانہ میں وہ ندامت اور پشیمانی کے کس عالم سے دوچار نہیں ہوئے، لیکن ایسے حالات میں بھی جس وقت ان کو غسانی بادشاہ کا خط ملا اور اس میں بادشاہ سے جاملنے کا پیغام پڑھا، تو انہوں نے بلا کسی تامل کے اس خط کو تنور میں پھینک دیا، بلاشبہ حضرت کعب بن مالک کا یہ اقدام ان کی وفاداری اور ان کی ثابت قدمی اور محبت رسول کا کھلا مظہر ہے۔

انسانی تاریخ میں ”نبوی مدرسہ“ تعلیم وتربیت کے لحاظ سے سب سے بڑا مدرسہ رہا ہے، اور ہو بھی کیوں نا! جس مدرسہ میں تعلیم کے فرائض معلم انسانیت ﷺ کے ذمہ ہوں، اور اس میں پڑھنے والے وہ دعاۃ اور ربانی علماء ہوں جنہوں نے رب العالمین کے حکم سے اپنے نبی کے زیر سایہ بے مثال اور غیر معمولی تربیت حاصل کی، اور پھر دنیائے انسانیت سے غلامی کا طوق اتارا، اور تاریکیوں سے لازوال روشنی عطا کی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو توفیق دی کہ وہ صحابہ کی ایسی مثالی جماعت تیار کریں، جو جاہلیت کی غلاظتوں سے نکل کر نور ایمان کی طرف منتقل ہو، اور پھر وہ تاریخ انسانی کے عظیم ترین مشاہیر عالم میں شمار ہوں، اور دنیا انہیں تاریخ ساز کی حیثیت سے تسلیم کرے، چنانچہ انھوں نے دعوت کے ایسے غیر معمولی فرائض انجام دیے اور دنیا کے سامنے ایسے نمونے پیش کیے جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ مدرسۂ نبوت کے فارغین دنیا کی عظیم ترین ہستیاں ہیں، یہ وہ ستون ہیں جو بعد کے زمانے کے لیے دعوت، جہاد، حکومت اور تہذیب وتمدن کی اساس ہیں، لہٰذا حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت امیر معاویہؓ ان تمام صحابہ کا جو مقام اور ان کی سیرت ہے اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس کا بنیادی راز یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایسے جگر پاروں کو تربیت دی جنہوں نے علم توحید بلند کیا، اور جہاد ودعوت کے فرائض انجام دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اور دیکھتے دیکھتے پورا جزیرۃ العرب ان کے زیرنگیں ہوگیا، اور نصف صدی ہی میں فتوحات کا وسیع دائرہ یورپ تک پھیلتا چلا گیا، مراکش کے آخری ساحلی حدود تک سن ٦٥ھ میں حضرت عقبہ بن نافع کی آمد اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

دنیا کی تمام یونیورسٹیز، کالجز اور مدارس سے زیادہ درسگاہ نبوت کی کامیابی کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں ایسی جماعت کو داخلہ دیا جو انتہائی سعادت مند اور نسل انسانی کے انتہائی چنیدہ لوگ تھے، آپ ﷺ اس درسگاہ میں اپنے صحابہ کو توکل علی اللہ کی تعلیم دیتے تھے، عزیمت اور استقامت کے عملی درس دیتے تھے، اور ہمہ وقت ان کی تربیت اور تزکیہ واحسان پر توجہ مرکوز رکھتے تھے، اس تربیت کا نتیجہ تھا کہ ان کے عزائم کو جلا حاصل ہوتی تھی، ہمتیں بلند ہوتی تھیں، اور درسگاہ نبوت کے یہ فارغین کھرے و نکھرے سونے کی طرح ہوتے تھے، جن کے دلوں میں قربانی اور جانثاری کا غیر معمولی جذبہ موجزن ہوتا تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زبانی:

”یہ نوزائیدہ جماعت جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر مشتمل تھی، ایک عظیم الشان اسلامی امت کی اساس اور اسلام کا سرمایہ تھی، اس جماعت کا ظہور ایسی کٹھن گھڑی میں ہوا جب کہ دنیا موت و زندگی کی کش مکش میں مبتلا تھی، اس جماعت نے آکر اس کی زندگی کا پلڑا جھکا دیا، اور ان تمام خطرات کو دور کردیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور پھر اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لیے ضروری تھا، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے انصار ومہاجرین کی اخوت ومحبت پر زور دیا تو فرمایا: اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں صحابہ کرام کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی

بخشا رہا، رسول اللہ ﷺ کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الٰہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے کو مٹانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی، وہ لوگ چستی و سستی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں دس سال کے اندر ستائیس بار جہاد کے لیے نکلے اور آپ کے حکم سے سو مرتبہ سے زائد کمر بستہ ہوکر میدان جنگ کی طرف گئے، ان کے لیے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی، اہل وعیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، قرآن کی آیات وہ بے شمار احکام لائیں جو ان کے لیے پہلے سے مانوس نہ تھے، نفس و مال، اولاد و خاندان کے بارے میں احکام نازل ہوئے جن کی تعمیل کچھ ہنسی کھیل نہ تھی، لیکن خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی، شرک وکفر کی گتھی جب سلجھ گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں، رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ان کے ایمان کے لیے کوشش فرمائی، پھر ہر امر و نہی اور ہر نئے حکم کے لیے مستقل کوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہ رہی، اسلام و جاہلیت کے پہلے معرکہ میں اسلام نے جاہلیت پر فتح حاصل کر لی، پھر تو ہر موقع کے لیے ہر مرتبہ نئے معرکہ کی ضرورت باقی نہ رہی، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آگئے، ان پر جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی، آپ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی یا قلبی کش مکش پیش نہ آتی، جس بات کا آپ فیصلہ فرما دیتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا، اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لیے پیش کر دیا، شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا، پھر کیا تھا ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر کو اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں وہیں خشک ہو گئیں، شراب کے برتن توڑ دیے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے ڈھل گئے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جب ان کے نفوس کے اثرات ان کے نفوس سے زائل ہو گئے، نفسانیت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ لوگ اپنے نفسوں سے ویسا ہی برتاؤ کرنے لگے جیسا کہ وہ دوسرے سے کرتے تھے، دنیا میں رہتے ہوئے مردان آخرت، اور نقد سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے، نہ کسی نعمت پر اتراتے، فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر اکڑنے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لیے وہ میزان عدل تھے، وہ انصاف کے علم بردارتے، اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے، خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں میں ڈال دیا، اور دنیا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، وہ اس وقت عالم کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور آپ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان لے کر رفیق اعلی کی طرف سفر کر گئے۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر/ ۵۸)

افسوس کا مقام ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کے اشارے پر ناچنے والا میڈیا آج انہیں نفوس قدسیہ کی سیرت کو مسخ کرنا چاہتا ہے، اور نسل نو کے ذہنوں کو مسموم کر رہا ہے، اور نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ تربیت پر اپنی کوتاہ عقل کی روشنی میں بے تکے سوالات قائم کرتا ہے، خاص طور پر کچھ چینلوں کا ہدف یہی بن گیا ہے کہ انہیں صحابہ کرام کی شخصیت مجروح کرنا ہے، اور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آئے واقعات کو مدعا بنا کر شکوک و شبہات کا دروازہ کھولنا ہے، ان چینلوں نے صحابہ کرام پر تہمتوں کا ایسا سلسلہ شروع کیا ہے جس کی بنیاد پر بدظنی اور اسلامی تاریخ واکابر امت پر عدم اعتماد کی فضا بن رہی ہے، جن کا اشاعت اسلام اور دعوت حق کی راہ میں کلیدی کردار رہا ہے۔

دعا - عبادت کا مغز

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

دعا عبادت کا اہم ترین جز ہے، حدیث میں آتا ہے کہ دعا عبادت ہے، اور بعض روایات میں دعا کو عبادت کا مغز بتایا گیا ہے، دراصل عبادت کے دو جز ہیں، یا یوں سمجھیں کہ اس کے دو پر ہیں جس سے عبادت اڑ جاتی ہے، ایک دعا ہے اور دوسرا دعوت ہے، اور دعا ودعوت دونوں ہی ایک دوسرے سے منسلک ہیں، اور عربی کے اعتبار سے دونوں کا مادہ (اصل) بھی ایک ہے، گویا دعا کا مطلب ہے: اللہ کو پکارنا اور دعوت کا مطلب ہے: اللہ کی طرف لوگوں کو بلانا۔ اور یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے عبادت اڑ جاتی ہے، اور انسان کے اندر ان کے ذریعہ سے غیر معمولی روح پیدا ہو جاتی ہے، انسان کی عبادت اس سے زندہ ہو جاتی ہے، لہٰذا اس طور پر دعا کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اور یوں بھی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے ان بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے جو اس سے مانگتے رہتے ہیں، اور جو نہیں مانگتے ہیں ان سے ناراض ہوتا ہے، دراصل یہی خالق اور مخلوق کا فرق ہے، کہ اگر مخلوق سے مانگا جائے تو وہ ناراض ہوگی، اور نہ مانگا جائے تو خوش ہوگی، اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص انسانوں کا محبوب بننا چاہتا ہے، تو اس کو چاہیے کہ وہ انسانوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے اپنے آپ کو بے نیاز کرالے، تو انسانوں کا محبوب بن جائے گا، لیکن اس کے برعکس خالق کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی نہ مانگے تو وہ ناراض ہوتا ہے، اور اگر کوئی مانگے تو بہت خوش ہوتا ہے، اس لیے اس سے مانگنا ضروری ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مخلوق محدود ہے، اور خالق غیر محدود ہے، یعنی مخلوق کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ لمیٹیڈ ہے، اسی لیے انسان سوچتا ہے کہ اگر میں نے اتنا دے دیا تو پھر اس کے بعد ختم ہو جائے گا، غرض کہ اگر کسی کے پاس کروڑوں روپے ہوں تب بھی وہ ختم ہو جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں ختم کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اللہ نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے سے خوش ہوتا ہے۔

دعا مانگنے پر اللہ تعالیٰ کا اس بندہ سے خوش ہونا اس لیے بھی ہوتا ہے کیونکہ اس کے اندر گویا کہ عبدیت کا اظہار ہوتا ہے، اور اللہ کو یہی سب سے زیادہ پسند ہے، جب رسول ﷺ کے مقامات بلند کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور جہاں آپ کی عبدیت کا تذکرہ فرمایا گیا ہے تو محبوبیت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے ''عبد'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَیٰ بِعَبْدِہٖ﴾ (الاسراء: ۱) یعنی وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا، معلوم ہوا یہاں اپنے بندے کو کہا گیا ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ اپنے محبوب کو لے گیا، حالانکہ ہم لوگ اپنی عقل سے سوچتے تو یہی کہا جاتا کہ اپنے محبوب کو راتوں رات اپنے پاس بلایا، گویا کہ یہ بھی ایک اعجاز ہے، تاکہ اس کے دیگر بندے اس بندے کے متعلق غلط خیالی میں مبتلا نہ ہوں، عقیدۂ توحید نہ بگڑے، اور معراج میں آسمانوں کی سیر کرائے جانے سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ چونکہ آپ اوپر کی سیر کر رہے ہیں لہٰذا آپ لامحالہ کوئی دوسری مخلوق ہیں۔

دعا انسان کی عبدیت کی شان کو مزید چمکا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کو دعا کے نتیجہ میں بہت کچھ نوازتا ہے، البتہ یہ الگ بات ہے کہ دعا مانگنے پر فوراً مل جائے یا بعد میں ملے، کیونکہ اللہ کے سامنے گویا کہ ہر انسان بچہ ہے، یعنی بہت چھوٹا ہے، اور جب بچہ کوئی چیز مانگتا ہے تو وہ چیز چاہے کتنی اعلیٰ درجہ کی ہو یا کتنی کم درجہ کی ہو اس کو سوچ سمجھ کر ہی دیا جاتا ہے، تاکہ اس سے کہیں نقصان نہ ہو جائے، مثلاً ٹافیاں ہیں جو بچوں کو خوش کرنے کے لیے دی جاتی ہیں، اور بچے مانگتے بھی ہیں، لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جو بچوں کو نہیں دی جاتیں، کیونکہ وہ نقصان دے سکتی ہیں، اس لیے دیکھ کر دیا جاتا ہے، چاہے بچہ کتنا ہی مانگے، لیکن دیا نہیں جاتا، اور اس میں نہ دینے کا منشاء یہ نہیں ہے کہ بڑا شخص اس سے ناراض ہے بلکہ وہ اس سے آگے کی مصلحت کو دیکھ کر اس کو نہیں دے رہا ہے، کہیں اس کو نقصان نہ ہو جائے، اسی طرح جب انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، اور وہ جانتا ہے کہ کون سی چیز بہتر ہے، اور کون سی چیز بہتر نہیں ہے، اسی لیے اگر وہ چیز بہتر ہوتی ہے تو اسی وقت عطا کر دی جاتی ہے ورنہ اس وقت نہیں دی جاتی ہے۔

ایثار ومواسات کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مواسات: مواسات بھی ایثار ہی کا ایک حصہ ہے، یعنی دوسرے کی غم گساری کرنا، کسی کو آپ نے دکھی دیکھا تو اس کا دکھ آپ کے دل میں پیدا ہو، مواسات خودغرضی کی ضد ہے، اس میں تو آدمی کو صرف اپنا ہی نظر آتا ہے، ہم بیمار ہیں، ہم پریشان ہیں، انسان اسی چکر میں رہتا ہے کہ ہماری ضرورت پوری ہو، چاہے وہ امیر ہو، چاہے وہ غریب ہو، غریب سمجھتا ہے کہ جو ملنا ہے وہ ہمیں ملے، ہم زیادہ مستحق ہیں، امیر سوچتا ہے کہ جتنا آرہا ہے زیادہ ہمارے پاس آئے، یہ خودغرضی ہوتی ہے۔ لیکن مواسات یعنی غم خواری یہ ہے کہ امیر ہو یا غریب جب کسی ضرورت مند کو دیکھے، کمزور کو دیکھے، بوڑھے کو دیکھے تو دل کے اندر ایک درد پیدا ہو کہ ہم اس کے کام آجائیں، یہ بے چارہ ضرورت مند ہے۔ کبھی کسی کے یہاں کوئی حادثہ ہوگیا، کوئی پریشانی میں پڑگیا، اب آپ سوچیں کہ یہ تو بہت بے وقت حادثہ پیش آیا ہے، اس وقت کون جائے، ابھی نیند آرہی ہے تو یہ ایک طرح کی خودغرضی ہے۔ لیکن آپ نے سوچا کہ وہ اس وقت ضرورت مند ہے، اس کے پاس جانا چاہیے، اور آپ وہاں گئے، آپ نے تسلی کے کلمات کہہ دیے تو اس کا نام مواسات ہے۔

حدیث میں آتا ہے:

"من عزى ثكلى كسي برداً في الجنة" (جو ایسی عورت کو جاکر تسلی دے جس کے بچے کا انتقال ہوگیا (اس کو دلاسہ دے اور تسکین کا سامان کرے) تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جنت کا لباس پہنائے گا) (سنن الترمذی: ۱۰۹۷)

ظاہر ہے جنت کا لباس پہنانے سے' جنت میں داخل کرنا مراد ہے، گویا کسی دکھی کو جاکر تسلی دے دینا بھی ایثار ومواسات ہے۔

غم گساری کا مہینہ: حدیث میں آتا ہے کہ رمضان کا مہینہ "شهر المؤاساة" ہے، یعنی غم گساری کا مہینہ ہے، لیکن بعض لوگ اس مہینہ کو صرف اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ تلاوت کی کثرت کی جائے، نوافل کی تعداد بڑھادی جائے، بے شک یہ بھی ضروری ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سب سے زیادہ مبارک عمل ہے، اس لیے کہ قرآن سے رمضان کے مہینہ کو خاص مناسبت ہے، اس مہینہ میں نمازیں بھی کثرت سے پڑھی جائیں، درود شریف بھی پڑھا جائے، اذکار بھی کیے جائیں، دعائیں بھی مانگی جائیں، لیکن اس مہینہ کا ایک بہت بڑا عمل ہے جس کی طرف توجہ نہیں ہوتی ہے، اور وہ ہے مواسات، نبی اکرم ﷺ نے اس مہینہ کو "شهر المؤاساة" کہا ہے، یعنی ضرورت مندوں کے ساتھ ہمدردی کرنا، اچھے بول بول دینا، اس میں آپ جو وقت استعمال کریں گے یہ وقت ضائع نہیں بلکہ بہت قیمتی ہورہا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قبولیت کی بات ہے کہ وہ کس کو قبول فرمالے، نہ جانے کتنی عبادتوں، تلاوتوں پر ہمارے دو بول بھاری ہوجائیں۔

افضل عبادت: حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ وہ مسجد میں معتکف تھے، ان کے پاس ایک ضرورت مند آئے، حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا: کچھ دکھی نظر آرہے ہو کیا بات ہے؟ کہا: اللہ کے رسول ﷺ کے چچا کے بیٹے! میرے ذمہ فلاں کا قرض ہے، میں ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں، اور وہ تقاضا کررہا ہے، سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: میں تمہاری کچھ مدد کروں یا میں اس سے سفارش کروں؟ اس شخص نے کہا: آپ جیسا مناسب سمجھیں، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ ایک دم سے مسجد کے باہر جانے لگے، اس شخص نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ کے چچا کے بیٹے! آپ معتکف ہیں؟؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے، مجھے یاد ہے، لیکن کتنی طویل مدت کی عبادتوں سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ آدمی کسی کی حاجت روائی کرے، اس کی ضرورت پوری کردے، اس کے ساتھ غم گساری کرے، یہ مبارک عمل نہ جانے کتنے سالوں

کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ (شعب الایمان: ۳۹۶۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ساری عبادتیں یقیناً اللہ کی رضا کا ذریعہ ہیں، لہٰذا ہمیں اسی طرح مشغول ہونا ہے، لیکن کچھ وقت مواسات میں بھی لگایا جائے، کم ازکم اس کی فکر کی جائے کہ شاید خدمت کا کوئی موقع ہمیں بھی مل جائے، کسی کے ساتھ سلوک کرنے کا کوئی موقع مل جائے، غم گساری کرنے کا کوئی موقع مل جائے، اگر ہمارے سامنے کوئی شخص پریشان بیٹھا ہے تو ہم معلوم کریں کہ کیا بات ہے؟ میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ صفت بہت محبوب ہے، بہت پسند ہے۔

سماج کے بگاڑ کا حل: ایثار و مواسات اگر ہمارا مزاج بن جائے تو یہ جو سماج کا بگاڑ ہے، جس کو دور کرنے کے لیے محنتیں ہورہی ہیں، لٹریچر چھپ رہا ہے، تقریریں ہورہی ہیں، یہ سب ٹھیک ہوجائے گا، آج آدمی جہیز کا مطالبہ خودغرضی کی وجہ ہی سے کر رہا ہے، اگر اس کے مزاج میں ایثار ہوتا تو وہ جہیز کا مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ وہ یہ کہتا کہ میں خود دینے کو تیار ہوں، آپ غریب ہیں، آپ فکر نہ کریں، آپ بس اپنی بچی کو رخصت کردیں، ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔

اس سلسلہ میں ایثار کرنے والوں نے ایسے ایثار کیے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

ایثار کی تاریخ ساز مثال: سید التابعین حضرت سعید بن مسیبؒ کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے، ان کے ایک شاگرد کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ درس میں نہیں آسکے، جب آئندہ دن حاضری ہوئی تو شیخ نے پوچھا: کیا بات ہوئی، کل غیر حاضری کا کیا سبب تھا؟ شاگرد نے بتایا کہ میری اہلیہ بیمار تھیں، کچھ ہی دن قبل میری شادی ہوئی تھی اور ان کا انتقال ہوگیا۔ اس حادثہ پر ان کو بہت صدمہ ہوا، شیخ نے شاگرد کو تسلی دی اور کہا: تم پریشان نہ ہو، اللہ تمہیں اس کا بہتر بدل عطا فرمائے گا، چند دن گزرے تھے کہ شیخ نے فرمایا: اب تم دوسری شادی کرلو، شاگرد نے کہا: میں غریب آدمی ہوں، مجھ سے کون شادی کرے گا، میں کہاں سے انتظام کروں گا، ایک شادی تو بڑی مشکل سے ہوئی تھی، شیخ نے کہا: انتظام بھی ہوجائے گا۔ چند دن بعد شیخ نے فرمایا: میری بیٹی موجود ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم سے اس کی شادی کردوں۔ وہ کہنے لگے: حضرت! میں اس قابل کہاں!! ظاہر ہے وہ عالی خاندان سے تھے، علم کا پہاڑ تھے، سید التابعین تھے، اللہ نے ساری دولت دے رکھی تھی، اور یہ شاگرد ایک معمولی خاندان سے تھے اور ابھی طالب علم ہی تھے، اس لیے ان کو حیرت وتعجب بھی ہوا، اور یقیناً دلی خوشی بھی ہوئی ہوگی، مگر ان کے سمجھ میں بات نہ آئی، لہٰذا کہنے لگے: میں اس قابل کہاں! شیخ نے فرمایا: ایسا کچھ نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اسی مجلس میں نکاح ہوجائے، شاگرد نے کہا: میں پہلے اپنی والدہ سے پوچھ لوں، جب والدہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: ہم پہلے کچھ انتظام کرلیں اور اپنا گھر ٹھیک کرلیں، اس کے بعد یہ عقد کرلیں گے، شیخ نے کہا: ایسا کرو کہ عقد ابھی کرلو اور رخصتی بعد میں ہوجائے گی، چنانچہ عقد ہوگیا اور یہ سوچا کہ چار پانچ دن کے بعد گھر تیار ہوجائے گا تو رخصتی بھی ہوجائے گی، لیکن جب شاگرد رات کو گھر گئے، اور بستر پر دراز ہونے لگے، تو کسی نے دروازے پر دستک دی، انہوں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت سعید بن مسیب موجود ہیں، شاگرد نے کہا: حضرت! آپ اس وقت یہاں؟ شیخ نے فرمایا: مجھے خیال آیا کہ تمہارا نکاح ہوچکا ہے، اب تم رات میں کیوں تنہا رہو، لہٰذا میں اپنی بیٹی لے آیا ہوں، تم اس کو اندر لے جاؤ اور دونوں ایک ساتھ رہو۔

معاشرہ کی ایک اہم ضرورت: واقعہ یہ ہے کہ یہ ایثار کی انتہا ہے، ایسا کون کرسکتا ہے؟ ظاہر ہے اگر ایثار ہوگا تو کیا شادیوں میں فضول خرچی ہوگی، کیا آدمی جہیز کا مطالبہ کرے گا، کیا کسی دوسرے کا حق مارے گا، وہ تو اس امید میں رہے گا کہ میرا جو حق ہے وہ ہم کیسے ادا کریں، اور یہ دین کا مزاج ہے، دین یہی مزاج بنانا چاہتا ہے کہ آدمی حق دینے والا بنے، ہمیشہ حق لینے والوں میں نہ بنے، ہر وقت بس مطالبہ ہو کہ ہمارا حق ہم کو دیا جائے۔ آج ہم لوگوں کا مزاج بگڑ گیا ہے، ہر ایک سے اپنے حقوق کا مطالبہ ہوتا رہتا ہے، کبھی حکومت سے، کبھی کسی سے، سوچنے کی بات ہے کہ ہم نے کیوں اپنے کو اس قدر گرالیا ہے، اور دین سے دور کرلیا ہے کہ ہم یہاں تک پہنچ گئے کہ ہاتھ ہی پھیلانا ہمارا کام رہ گیا ہے۔ اگر ہمارا ایثار و مواسات کا مزاج بنتا تو یہ ایسا مزاج ہے کہ صورت حال بالکل مختلف ہوتی، اس لیے اس سلسلہ میں ہمیں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اپنے حالات کو بنانے کی ضرورت ہے۔

زکوۃ کی اہمیت اور اس کے چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

زکوۃ کے فضائل:

زکوۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز کے ساتھ ساتھ زکوۃ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا گیا، اور بہت سی جگہوں پر الگ سے بھی اس کے فضائل اور ادا نہ کرنے پر وعیدیں سنائی گئیں، اس کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ زکوۃ وصدقات ادا کرنے سے سات سو گنا بلکہ اخلاص ہو تو اس سے بھی زیادہ اجر وثواب ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ٢٦١) (ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی طرح ہے جو سات بالیاں اگائے، اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے خوب اضافہ کردیتا ہے)

احادیث میں بھی کثرت سے زکوۃ وصدقات کے فضائل وارد ہوئے ہیں، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ صرف حلال مال ہی قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ سے اس کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچہ کو بڑھاتا اور پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ کھجور پہاڑ کے مثل ہو جاتی ہے۔(بخاری ومسلم)

۲-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں یہ جملہ بھی ہے کہ جو شخص صدقہ اور زکوۃ ادا کرنے والا ہوگا اس کو جنت کے ایک خاص دروازہ ''باب الصدقۃ'' سے داخل کیا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

۳-ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ سات قسم کے لوگ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے سائے میں ہوں گے، ان میں ایک شخص وہ ہوگا جو اللہ کے راستہ میں چھپا کر خرچ کرتا تھا یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی تھی کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔(بخاری مسلم)

۴-مسلم شریف کی ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ صدقہ قیامت کے دن حجت ہوگا۔

صدقہ مال سے بڑھتا ہے:

عام طور سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر زکوۃ وصدقات کی ادائیگی کریں گے تو اس سے مال گھٹ جائے گا لیکن کتاب وسنت میں صراحت سے فرمایا گیا کہ یہ محض ایک غلط فہمی ہے، صدقات سے مال گھٹتا نہیں ہے بلکہ بڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِىْ الصَّدَقَاتِ﴾(البقرة: ٢٧٦) (اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے) حدیث شریف میں بھی یہی بات کہی گئی، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''صدقہ کسی مال کو کم نہیں کرتا، معاف کرنے سے عزت میں اضافہ ہوتا ہے، اور جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی نصیب فرماتے ہیں۔(مسلم)

زکوۃ نہ ادا کرنے پر وعیدیں:

جس طرح زکوۃ کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے، اسی طرح ادا نہ کرنے پر سخت ترین وعیدیں بھی سنائی گئیں، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ زکوۃ اسلام کے اہم ارکان میں سے ہے، چنانچہ فرض ہونے کے باوجود زکوۃ کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے متعلق قرآن مجید میں یہ وعید ارشاد فرمائی گئی:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ☆يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِىْ نَارِ

جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴾(التوبة: ٣٤-٣٥) (اور جولوگ بھی سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اللہ کے راستے میں (زکوۃ نکال کر) اس کو خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجیے، جس دن اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہی ہے نا جو تم نے جمع کر کے رکھا تھا، بس جو بھی تم جمع کر کے رکھتے تھے اب اس کا مزہ چکھو)

احادیث میں بھی کثرت سے یہ مضمون وارد ہوا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کو اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا ہے اور وہ اس کی زکوۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کا مال گنجے اژدہا کی شکل کا بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کے جبڑے پکڑ لے گا اور کہے گا: میں ہوں تمہارا مال، میں ہوں تمہارا خزانہ، پھر آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾(التوبة: ۱۸۰) (جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ یہ ان کے لیے بہت برا ہے، جس مال میں انہوں نے بخل کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی گردن میں لپیٹ دیا جائے گا)

زکوۃ کس پر فرض ہے؟

زکوۃ فرض ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مندرجہ ذیل صفات پائی جا رہی ہوں، اگر یہ صفات موجود نہ ہوں تو زکوۃ فرض نہیں ہوتی:

۱-آزاد ہو، چنانچہ غلام باندی پر زکوۃ فرض نہیں ہے۔

۲-مسلمان ہو، دوسری عبادات کی طرح کافر سے زکوۃ کا بھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

۳-بالغ ہو، چنانچہ نابالغ بچہ پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی۔

۴-عاقل ہو، چنانچہ مجنون اور پاگل پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔(ہندیہ:۱/۱۷۲، شامی:۲/۴)

وجوب زکوۃ کی شرائط:

مندرجہ بالا صفات کے پائے جانے کے بعد زکوۃ تبھی فرض ہوگی جب مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

۱-مال نصاب زکوۃ کو پہنچ رہا ہو، اگر اس سے کم ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، نصاب، اونٹ بکری اور گائے وغیرہ کا الگ ہے، اور سونا چاندی کا الگ، تفصیلات بعد میں آئیں گی، لیکن سونے کا نصاب تقریبا ۸۷ گرام سونا اور چاندی کا ۶۱۲ گرام چاندی ہے۔

۲-مال مکمل طور سے ملکیت میں ہو، مکمل طور سے ملکیت میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال کا مالک بھی ہو اور مال اس کے قبضہ میں بھی ہو، لہٰذا جو مال اس کے قبضہ میں نہ ہو اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

۳-مال اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو، چنانچہ جو مال اس کی روزمرہ کی ضروریات میں لگا ہوا ہو اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جیسے رہائشی مکانات، استعمالی کپڑے، گھر کا فرنیچر اور استعمال میں لائی جانے والی گاڑیاں، چنانچہ ان چیزوں پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

۴-نصاب قرض سے خالی ہو، اگر کوئی مقروض ہے تو قرض کے بقدر مال پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، قرض منہا کرنے کے بعد اگر بچ جانے والا مال نصاب سے کم ہو تو زکوۃ ہی ساقط ہو جائے گی، اور قرض منہا کرنے کے بعد بھی اگر بچ جانے والا مال نصاب کو پہنچ رہا ہو تو اس باقی مال کی زکوۃ واجب ہوگی۔

۵-مال نامی ہو، یعنی مال میں بڑھنے کی صلاحیت ہو، سونے چاندی میں یہ صلاحیت خلقی طور پر مانی جاتی ہے، لہٰذا سونے چاندی میں ہر حالت میں زکوۃ واجب ہوگی چاہے ان کی تجارت کی جا رہی ہو یا زیورات کی شکل میں ہوں، یا ڈلے کی شکل میں ہوں، روپے پیسے بھی سونے چاندی ہی کے حکم میں ہیں۔

بقیہ اموال میں زکوۃ تبھی واجب ہوگی جب تجارت وغیرہ میں ان کو لگایا گیا ہو۔(ہندیہ:۱/۱۷۲-۱۷۴، شامی:۲/۴-۵-۶)

۶-مال پر سال گزر جائے، اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مال حاصل کرے تو اس پر زکوۃ نہیں ہوگی، یہاں تک کہ حولان حول حاصل ہو جائے۔(ترمذی)

اور سال گزرنے میں قمری سال کا اعتبار کیا جائے گا، شمسی سال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (باقی صفحہ ۱۸ پر)

فرعون کا انجام

عبدالسبحان ناخدا ندوی

فرعون کا ظلم وستم جب حد سے بڑھا تو حضرت موسی علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی پوری قوم کو لے کر چل دیے، اور اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑ دیے، جس سے آسانی کے ساتھ وہ سمندر پار کر گئے، مؤرخین کے مطابق اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی، چھ لاکھ کی تعداد بتائی جاتی ہے، مصر میں ان کے قیام کی مدت چارسو سال کے قریب بیان کی جاتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سب سے پہلے مصر تشریف لائے پھر زمام سلطنت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے اپنے تمام اہل خاندان کو وہیں بلایا، حضرت یعقوب علیہ السلام خود اور آپ کی پوری اولاد وہیں منتقل ہوئی، مؤرخین کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام اخیر عمر میں شام تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا، لیکن آپ کی ذریت مصر میں مقیم رہی، وہیں آپ کی نسل پھلی پھولی، یہاں تک کہ چارسو سال کے بعد ان کی تعداد چھ لاکھ کے قریب پہنچ گئی، اسی تعداد نے فرعون کی نیند اڑادی تھی، اور اس نے نسل کشی کی بدترین مثال قائم کرتے ہوئے بنی اسرائیل کا جینا دوبھر کردیا، حضرت موسی کی بعثت کے دو بنیادی مقاصد تھے، قوم فرعون کو دعوت توحید دینا، اور بنی اسرائیل کو اپنے اصلی وطن یعنی شام لے جانا، فرعون اپنی قوم کے ساتھ اسلام قبول کرلیتا تو عین ممکن تھا کہ اسی کی حکومت برقرار رہنے دی جاتی اور بنی اسرائیل نہایت خوشگوار طریقہ سے وہاں سے رخصت ہوتے، یا پھر مصر ہی میں ان کا قیام طویل ہوجاتا اور باہمی تعاون پر مبنی ایک اسلامی حکومت وجود میں آتی، لیکن ایسا نہ ہوسکا، فرعون نے حضرت موسی کو قومی حریف یا وطنی دشمن کی نظر سے دیکھا، اس لیے آپ کو زیر کرنے کی تمام تر کوششیں کر ڈالیں، جب سب میں ناکامی ہوئی تو حسد کی آگ میں جلنے لگا اور یہ طے کرلیا کہ بنی اسرائیل کو کسی بھی صورت میں یہاں سے جانے نہ دیا جائے، چاہے پوری قوم کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑ جائے۔

دوسری طرف حضرت موسی علیہ السلام پوری راز داری کے ساتھ چپکے چپکے تیاری فرمارہے تھے، یہاں فرعون کے سپاہیوں کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہوسکی، اس طرح ایک رات آپ اپنی پوری قوم کو لے کر نکل پڑے، فرعون کو خبر بعد میں ہوئی اور وہ اپنی زبردست فوج لے کر تعاقب میں نکل کھڑا ہوا، یہاں اللہ کی طرف سے وحی آچکی تھی کہ تمہارا تعاقب ہوگا، گھبرانا نہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں، حضرت موسیٰ کا ارادہ شمال کی طرف جاکر پھر داہنی طرف مشرقی جانب مڑنے کا تھا، تاکہ خشکی کے راستے ہی اپنی آبائی زمین فلسطین پہنچ جائیں، لیکن رات کی وجہ سے صحیح رخ معلوم نہ ہوسکا، اور وقت سے پہلے ہی داہنی طرف مڑ گئے، اب صبح ہوئی تو دیکھا کہ سامنے بحر قلزم ٹھاٹھیں مار رہا ہے، جسے پار کرکے آپ وادی سینا میں پہنچ جاتے، اب دوبارہ صحیح سمت اختیار کرنا ممکن نہ رہا، پیچھے فرعون کی فوج تعاقب میں آرہی تھی، بنی اسرائیل چیخ اٹھے، فرعون کا لشکر دور سے نظر بھی آنے لگا، کہنے لگے: ﴿إِنَّا لَمُدْرَكُونَ﴾ (ہم دھرے گئے) فرعونی لشکر اب پہنچا تب پہنچا، جب بے بسی انتہاء کو پہنچی تو قدرت الہی نے اپنا کام دکھایا، ارشاد ہوا: ﴿اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ﴾ (اپنی لاٹھی سمندر پر دے مارو) کہاں ٹھاٹھیں مارتا ہوا تا حد نگاہ پھیلا ہوا سمندر اور کہاں دو تین فٹ کی ایک معمولی لاٹھی، لیکن اصل طاقت حکم الہی کی تھی جو کام کرگئی، حضرت موسی نے لاٹھی دے ماری، سمندر پھٹنا شروع ہوا، تیز وتند موجیں جو سامنے بڑھی آرہی تھیں، اب دو طرف سمٹنی شروع ہوئیں، جیسے کسی عظیم شخصیت کے استقبال کے لیے مجمع چھٹ جاتا ہے، اور لوگ دورویہ ہوجاتے ہیں، سمندر کو راستہ دینا پڑا، جس کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے اس پر پھر کوئی غالب نہیں آسکتا، ﴿إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ (اگر اللہ تمہاری نصرت کرے تو پھر کوئی غالب نہیں آسکتا) اور اللہ کا معاملہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ بے چارگی وبے بسی کی انتہاء پر پہنچا کر پھر اپنی طرف سے مدد اتارتا ہے، تاکہ کمزور انسان یقین کرلے کہ اللہ کی طاقت سے بڑھ کر کچھ نہیں، انبیاء تک کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے: ﴿مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ (سختی وتنگی نے ان کو آلیا اور وہ اس قدر جھنجھوڑ کر رکھ دیے گئے کہ رسول اور ان کے ساتھ والے اہل

ایمان پکار اٹھے کہ آخر اللہ کی مدد کب آئے گی، سن لو اللہ کی مدد بہت قریب ہے) حضرت موسیٰ نے پورے یقین کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی؛ ﴿إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ (ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے منزل دکھائے گا اور منزل مقصود تک پہنچائے گا) جیسے ہی عصا مارا سمندر پھٹنا شروع ہوا، اور دو طرفہ پانی کی دیوار کھڑی ہوگئی، جو اپنی اونچائی میں پہاڑ کی طرح لگ رہی تھی، حکم الٰہی کا پابند سمندر اسی طرح ساکت و جامد کھڑا رہا، مجال ہے کہ پانی کا ایک چھینٹا بھی ادھر سے ادھر ہو جائے، اللہ نے سمندروں کو انسانوں کے لیے مسخر کردیا ہے، وہ اس کا سینہ چیرتے ہوئے سفر کرتا ہے، اور اپنے لیے فوائد حاصل کرتا ہے، لیکن سمندر کی تسخیر کا یہ رنگ شاید انسانی تاریخ میں ایک ہی دفعہ پیش آیا ہو، حضرت موسیٰ پورے اطمینان کے ساتھ سمندر پار اتر گئے، پوری قوم ہمراہ تھی، فرعون کے ظلم سے نجات ملی، اور بنی اسرائیل نے چین کی سانس لی۔

فرعون نے اتنا بڑا معجزہ دیکھا، ایک عام عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا تھا کہ یہ قدرت الٰہی کا نمونہ ہے، اس لیے اس میں داخل ہونا براہ راست اللہ کی قدرت سے لڑائی مول لینا سمجھا جائے گا، چاہتا تو واپس پلٹ سکتا تھا، لیکن حسد کی آگ عقل و فہم کو بھی جلا ڈالتی ہے، پوری فوج کو لے کر سمندر میں کود پڑا، اب ساکت پانی کو حکم ہوا کہ ایک دوسرے سے آملے، اضطراب و تموج کی جو کیفیت تھمی ہوئی تھی یکبارگی اس میں حرکت پیدا ہونے لگی، اب سب نے لاکھ جتن کیے کہ کسی نہ کسی طرح نکل لیں، لیکن وعدہ الٰہی پورا ہو کر رہا، فرعون کو ڈوبنا تھا وہ ڈوب مرا، حضرت موسیٰ کو صحیح سلامت نکلنا تھا وہ نکل گئے، ورنہ چند گھنٹوں پہلے کی کیفیت دوسری تھی، جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، ﴿إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ﴾ (اس لشکر کو تو ڈوبنا ہی ہے) ﴿وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ﴾

بنی اسرائیل اُس پار پہنچ کر کھلی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے تھے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہت دور تک فرعونیوں کو بھی راستہ ملا ہوگا، یہاں تک کہ وہ دوسرے کنارے سے قریب پہنچے تو قدرت کے ایک اشارے پر سمندر نے سب کو نگلنا شروع کیا ہوگا، اس طرح ظلم و ستم میں پسی ہوئی قوم کی نجات کے ساتھ ساتھ ان کی نگاہیں ٹھنڈی کرنے کا سامان بھی کیا گیا، اور بحر احمر کی موجوں میں فرعون کا خونی اقتدار ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

بعض حضرات نے اس معجزے کی بھی ظاہری تاویل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن یہ خواہ مخواہ کی تاویلات ہیں، قدرت الٰہی کو تسلیم کرنے کے بعد پھر اس طرح کی تاویلات بلا ضرورت فضول کام قرار دیے جائیں گے۔

بنی اسرائیل کے ان واقعات سے اہل ایمان کو بھی درس ہے کہ حالات چاہے جس قدر ناسازگار ہوں اللہ پر بھروسہ رکھا جائے، اسی سے سچی وابستگی کو اپنے تمام مسائل کا دائمی حل قرار دیا جائے۔

بقیہ: زکوۃ کی اہمیت......

......یہ بھی خیال رہے کہ درمیان سال میں اگر مال نصاب زکوۃ سے کم ہو جائے، لیکن شروع اور اخیر سال میں نصاب مکمل رہے تو زکوۃ واجب ہوگی، درمیان میں نصاب کے گھٹ جانے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اگر سال کی شروعات کے وقت صاحب نصاب تھا اور درمیان سال مال میں اضافہ ہوا تو سال کے اخیر میں اس پورے اضافی مال پر زکوۃ واجب ہوگی، ہر ایک پر سال پورا ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ (ہندیہ:۱/۱۷۵، شامی:۲/۵)

زکوۃ کی ادائیگی جلد کرنی چاہیے:

جب کسی شخص پر زکوۃ واجب ہوگئی، اور تمام شرائط پوری ہوگئیں، نصاب پر سال گزر گیا، تو زکوۃ فوری طور پر ادا کردینی چاہیے، اگر بلا عذر ادائیگی میں تاخیر کی تو گنہگار ہوگا، اس لیے کہ صحیح قول کے مطابق زکوۃ کی فوری ادائیگی واجب ہے۔ (شامی:۲/۱۴، ہندیہ:۱/۱۷۰)

البتہ اگر کوئی صاحب نصاب ہے تو وہ مال پر سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کرسکتا ہے، اس طرح اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ زکوۃ رمضان المبارک میں ادا کرے اور اس کا سال درمیان کے کسی مہینہ میں ہی پورا ہو جاتا ہے تو وہ ثواب حاصل کرنے کے لیے تاخیر نہیں کرسکتا، البتہ ثواب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ جب وہ مال نصاب کا مالک ہوگیا تو سال پورا ہونے سے پہلے ہی رمضان میں زکوۃ ادا کردے۔ (ہندیہ:۱/۱۷۶)

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے آنحضرت ﷺ سے سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ ادا کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترکی اور امریکہ کی کشمکش

جناب عبدالباری مومن (بھیونڈی)

اتاترک کے زمانے سے ہی ترکی یوروپی یونین کی مکمل رکنیت حاصل کرنے کے کوششیں کرتا رہا ہے۔دوسری طرف یوروپی یونین نے ہمیشہ ٹال مٹول کا رویہ اختیار کررکھا ہے اوراب تو ترکی پر اسلام پسندوں کا غلبہ ہوجانے کے بعد یوروپ کو ترکی سے اور بھی شکایت پیدا ہوگئی ہے۔حالانکہ ترکی نے اس کے لیے مکمل طور سے جمہوری طریقہ اپنایا ہے۔وہ اب بھی دستوری اعتبار سے ایک سیکولر جمہوریہ ہی ہے۔حکومت میں فوجی عمل دخل بالکل نہیں باقی رہا ہے۔2018 کے الیکشن میں چھیاسی فی صدرائے دہندگان نے حصہ لیا ہے جو پورے یوروپ میں سب سے زیادہ ہے۔

ناٹو میں امریکہ کے بعد ترکی ہی سب سے بڑا شریک ہے۔ اس کے پاس یوروپ کی سب سے بڑی فوج ہے۔بات صرف اتنی ہی ہے کہ صدر رجب طیب ارگان صدر امریکہ کی ہٹ دھرمی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔جب ترکی نے امریکہ میں پناہ گزین اپنے شہری فتح اللہ گولن کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تو امریکہ نے انکار کردیا۔اب وہ ترکی کے خلاف سازش کے شبہ میں گرفتار اپنے پادری کی رہائی کے ترکی پر زبردست دباؤ بنا رہا ہے اوراس حدتک کہ اس نے ترکی کی معیشت کو ڈانوا ڈول کرنے کے لیے اس کی برآمدات پر دوگنا محصول عائد کردیا ہے۔اس کے جواب میں ترکی نے بھی امریکہ کی اپنے یہاں برآمد کی جانے والی اشیاء خاص طور سے آٹو موبائیل اور کاسمیٹکس پر محصول بڑھا دیا ہے۔ترکی اس معاملے میں زیادہ خسارہ اٹھا رہا ہے۔اس کی کرنسی لیرا کی قیمت میں تقریباً چالیس فی صد کمی آگئی ہے۔مغربی ماہرین معیشت کہہ رہے ہیں کہ ترکی کو ارجنٹائنا کی مثال سامنے رکھنی چاہیے جہاں اسی طرح کی صورت حال پیدا ہونے پر اُس ملک نے اپنے مرکزی بنک کی شرح سود میں اضافہ کردیا تھا اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ سے امداد حاصل کرکے اپنی معیشت کو سہارا دیا تھا۔ بلکہ اس نے تو یہ قدم دو مرتبہ اُٹھایا تھا۔جب کہ صدر اردگان نے ترکی کے مرکزی بنک کو شرح سود بڑھانے سے روک دیا ہے اور وہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ سے بھی کوئی قرض حاصل نہیں کرنے جارہے ہیں۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے یہ دونوں اقدامات ایک ساتھ کرنا ہوں گے اوراس کا فائدہ بالواسطہ امریکہ کو ہی پہنچے گا۔طیب اردگان یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ صرف ایک عارضی قدم ہے۔کوئی مستقل حل نہیں ہے۔امریکہ اپنے اس اقدام کے ذریعہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا ہے۔حالانکہ طویل مدت میں اسے بھی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ناٹو کے ایک اہم ممبر سے بلا وجہ مخاصمت کا رویہ اختیار کرنا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں ہوسکتا۔امریکہ کے اس اقدام سے عالمی مارکیٹ میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا ہے۔عالمی تجارت ایک کثیر جہتی عمل ہے۔ اسے مقررہ تجارتی اصولوں کے تحت چلایا جاتا ہے۔اس کو کامیابی سے چلانے کے لیے بالغ نظری سے کام لینا ضروری ہے۔طفلانہ عناد کو اس میں دخل دینا خطرناک ہوسکتا ہے۔

دو عالمی لیڈروں کی سیاسی لڑائی نے ایک تجارتی تصادم کا راستہ اختیار کرلیا ہے، اوران دو ممالک کے درمیان ایک تعطل پیدا ہوگیا ہے۔دونوں میں سے کوئی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہے۔اگر تعطل اسی طرح برقرار رہا تو کس ملک کی معیشت پر کیا اثر پڑے گا اس کا صحیح فیصلہ تو مستقبل ہی کرے گا۔

مغرب کو ترکی کے تعلق سے اپنے نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیے۔صدر رجب طیب اردگان نے تو اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے اقدامات شروع کردیے ہیں۔قطر کے ساتھ ترکی کا پندرہ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کو معاہدہ ہوچکا ہے۔اس میں سے قطر فوری طور سے تین بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے جارہا ہے۔ترکی کا خیال ہے اس طرح وہ امریکہ سے درآمد پر اپنا انحصار کم سے کم کرسکے گا۔ اگرچہ مغربی ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ اس اقدام سے ترکی کو ڈالر تو مل جائے گا۔لیکن بین الاقوامی تجارت میں اس کی وہ ساکھ باقی نہیں رہے گی جو اسے امریکہ سے تجارت کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔امریکہ کی اس طفلانہ حرکت سے ترکی کو مختصر مدت میں تو یقیناً تکلیف ہوگی۔لیکن امریکہ بھی اس سے طویل مدتی نقصانات سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔سرمایہ کاری کے لیے ترکی فرانس

سے بھی گفتگو کر رہا ہے۔فرانس نے ترکی کے ساتھ تعاون کا وعدہ بھی کیا ہے۔اسی طرح چین نے بھی ترکی کی معاونت کا وعدہ کیا ہے۔ لیرا کی قیمت میں کمی کے اثرات دیگر ترقی پذیر ممالک پر بھی پڑ رہے ہیں۔ بھارت کی مثال بالکل سامنے ہے جہاں روپیہ کی قیمت میں کمی دیکھی جا رہی ہے۔ جنوبی افریقہ کی کرنسی پر تو بے ہوشی کی کیفیت طاری ہے۔اس کا سیدھا نتیجہ یہ ہوگا کہ اب ترقی پذیر ممالک امریکہ کی بجائے چین کی طرف متوجہ ہوں گے، بلکہ اس کا سلسلہ تو شروع بھی ہو گیا ہے۔صدر اردگان نہ صرف بیرونی ممالک سے تعاون حاصل کرنے کی جدو جہد کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے داخلی اخراجات میں بھی کٹوتی کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔انھوں نے یہ عزم کیا ہے کہ درآمد پر انحصار کم کرنے کے لیے مقامی صنعتوں کو فروغ دیں گے۔ انھوں نے اپنے عیدالاضحیٰ کے پیغام میں عوام سے یہ گذارش بھی کی ہے وہ خدا سے دعا مانگیں۔

ترکی کی حزب مخالف پارٹی سی ایچ پی نے حکومت کے اقدامات پر سخت تنقید کی ہے۔اس کا کہنا ہے کہ صدر اردگان اپنے اقدامات کے ذریعہ ترکی کی پیداواری صلاحیت پر بے جا بوجھ ڈال رہے ہیں۔اس سے پیداواری صلاحیت بڑھنے کی بجائے کم ہوگی۔ جبکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ لیرا کی قیمت میں کمی پیدا کرنے کا باعث صرف اور صرف امریکہ ہے۔اردگان کا کہنا ہے کہ امریکہ کی طرف سے ترکی کی معیشت پر کیا گیا یہ حملہ براہ راست ترکی کے پرچم پر حملہ ہے۔ امریکی کانگریس کے وسط مدتی انتخابات کے موقع پر پادری برنس کے معاملے کو لے کر امریکہ ترکی کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی سازش کر رہا ہے۔ وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ جو طاقتیں ترکی کو دہشت گرد تنظیموں اور فوجی بغاوت کے ذریعہ شکست نہ دے سکیں وہ زر مبادلہ کے ذریعہ ترکی کو کیا زک پہنچا سکتے ہیں۔

ترکی وہ ملک ہے جس نے فریڈم فلوٹیلا کے معاملے میں اسرائیل جیسے ملک کو بھی معذرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔اب تو مغربی ماہرین بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ اس تعطل کو ختم کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ اپنی ضد چھوڑ دیں، جیسا کہ انھوں نے شمالی کوریا کے معاملے میں کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی آزمائشیں

علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

”کتے جب مر جاتے ہیں تب ان کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر مہتر گھسیٹتے ہیں، لیکن قریش کے مہتروں میں ایسے مہتر بھی تھے جنھوں نے جیتے جاگتے آدمیوں کے گلے میں رسیاں باندھیں اور مکہ کی گلیوں میں ان ہی رسیوں کے ساتھ وہ گھسیٹتے گئے، گرم پتھروں پر کھلے بدن کے ساتھ کوڑے مار مار ”سچ“ کو چھوڑ کر جھوٹ بولنے کے لیے تڑپائے گئے، تلملائے گئے۔

چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی راہ سے تیز و تند ایندھنوں کا دھواں پہنچایا گیا، جن پر یہ گزر رہی تھی ان کا جو کچھ امتحان تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس رؤوف و رحیم فطرۃ طیبہ میں جنبش پیدا کرنے کے لیے یہ طوفان اٹھایا گیا تھا، اس کے صبر مطلق اور سکون تام کے لیے یہ بڑا اور سخت کڑا امتحان تھا، اس کے سوا جو وہ اپنے اندر بتا تا تھا اگر کسی چیز کا ادنی شائبہ بھی ہوتا تو اس کے لیے اس کے رقیق قلب، گداز دل کے لیے یہ منظر نا قابل برداشت تھا، لیکن سب کچھ ہلا دیا گیا اور پوری طاقت کے ساتھ ہلا دیا گیا مگر ”جو سچائی“ کی چٹان پر بٹھایا گیا تھا، بجز آنکھوں میں آنسو بھر لانے کے اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔

چڑیوں کے بھی گھونسلے ہوتے ہیں، جن میں پناہ لیتی ہیں، اور سانپوں کی بھی بانبیاں ہوتی ہیں، جن میں وہ چھپ کر رگیدنے والوں سے اپنی جان بچاتے ہیں، لیکن دعوے کے زور کو توڑنے کے لیے ستم کے جو پہاڑ جن غریبوں پر توڑے جا رہے تھے، ان کے پاس تو وہ بھی نہ تھا، ان میں بڑی تعداد ان غلاموں کی تھی، جن کا نہ اپنا گھر ہوتا ہے اور نہ در، یا ایسے تھے جو دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے تھے، جس پر سہارا ہو جب وہی سہاروں کے ختم کرنے کے درپے ہو جائے تو اب اس کے لیے کہاں پناہ ہے؟ اتنا سرمایہ بھی نہیں تھا کہ عرب کے اس ٹاپو کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین میں کسی اور جگہ اپنے سجدوں کے لیے جگہ پیدا کریں، اف کہ ان پیشانیوں کو خدا ہی کی زمین پر زمین کا اتنا ٹکڑا بھی میسر نہ تھا جس پر وہ اپنی پیشانی اپنے خدا کے آگے رکھ سکیں۔“

قبر میں بندۂ مؤمن کا حال

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

’’حضرت جبیرؒ سے روایت ہے کہ وہ قسم اللہ وحدہٗ لاشریک کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے جب ہم نے ان پر کچی اینٹیں چنیں تو ایک اینٹ گر پڑی، میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، اور وہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی یہ نعمت عطا فرمایئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا غیر مقبول نہیں فرمائی۔‘‘ (أبو نعيم فى الحلية: ٢/٣١٩)

ظاہر ہے کہ موت جسمانی کے بعد عالم غیب میت کے لیے عالم شہادت بن جاتا ہے اور اب عالم عمل سے گزر کر عالم جزا میں مستقبل میں کسی اجر وثواب کی امید پر کسی عبادت کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔ زیادہ لگتی ہوئی چیز یہ ہے کہ مقبولین کو عبادت وطاعت میں فی الوقت لذت ومزہ آنے لگتا ہے اور جس طرح دنیا میں وہ غذا سے قوت ولذت حاصل کرتے ہیں اور اس طرح اس عالم میں پہنچتے ہی نماز وتلاوت قرآن وغیرہ سے وہی قوت ولذت ولطف حاصل کرنے لگتے ہیں جو دنیا میں طبعی لذتوں سے حاصل کرتے رہتے تھے اور نماز ان کے لیے ایک رکن دین اور اپنے معبود کی محض تعمیل ارشاد نہیں رہ جاتی، بلکہ ایک لطیف نعمت فی الحال بن جاتی ہے اور جب وہ اس عالم کیف وسرور میں ہوتے ہیں تو دنیا میں ہی کسی مقبول بندے کو ان کا نظارہ کشف میں بہ طور خرق عادت کے کرا دیا جاتا ہے، اس لیے ایسی روایتوں کو بالکل قرین قیاس سمجھیے، اور ان سے انکار میں عجلت نہ کیجیے

٤١ –عن ابن عباس قال؛ إن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم جلس على قبر وهو لا يحسب أنه قبر، فاذا فيه انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبره، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ هي المانعة وهي المنجية تنجيه من عذاب القبر. (الترمذى: ٢٨٩٠)

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی صحابی کسی قبر پر بیٹھ گئے، بغیر یہ جانے ہوئے کہ یہ قبر ہے، سو دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی انسان ہے جو ’’سورۃ الملک‘‘ پڑھ رہا ہے، یہاں تک کہ اس نے اس کو پورا کیا، انہوں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ’’سورۃ المانعہ‘‘ ہے (یعنی عذاب سے بچانے والی) اور ’’المنجیۃ‘‘ ہے۔ (یعنی میت کو عذاب قبر سے نجات دینے والی)‘‘

٤٢ –عن عكرمة قال؛ يؤتى المؤمن مصحفا يقرأ فيه. (السيوطى فى بشرى الكئيب)

’’عکرمہ صحابیؓ سے روایت ہے کہ مومن کو قبر میں مصحف دیا جاتا ہے جس میں وہ پڑھتا ہے۔‘‘

قرآن مجید کی تلاوت دنیا میں تو اور دوسری عبادتوں کی طرح اجر آخرت کی امید پر ہوتی ہے، ایک حکم تشریعی ہے کہ کوئی لذت تکوینی نہیں، لیکن میت مومن کی برکت دیکھیے کہ برزخ پہنچتے ہی یہ حکم تشریعی لذت تکوینی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور مومن عالم برزخ میں ان عبادتوں میں لذت وحلاوت فی الفور پانے لگتا ہے اور دوسری مادی لذتوں اور نعمتوں کی طرح یہ عبادتیں مادی حیثیت سے بھی انتہائی خوش گوار اور دلچسپ بن جاتی ہیں۔

بلکہ دوسری روایت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی قبر میں ایک ایک مصحف بھی تلاوت کے لیے عنایت ہو جاتا ہے اور جس طرح اور جنتی نعمتوں کے خوان اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں، انکار، شک اور بے یقینی کرنے والوں کا ذکر نہیں۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP -19

Volume: 10 NOVEMBER 2018 Issue: 11

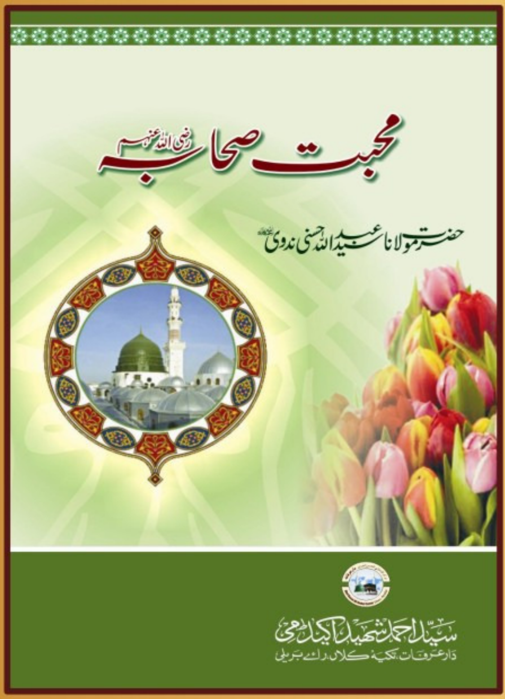

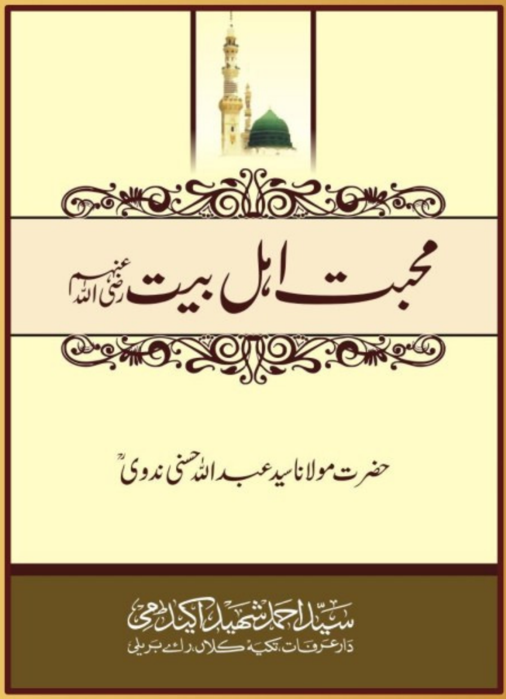

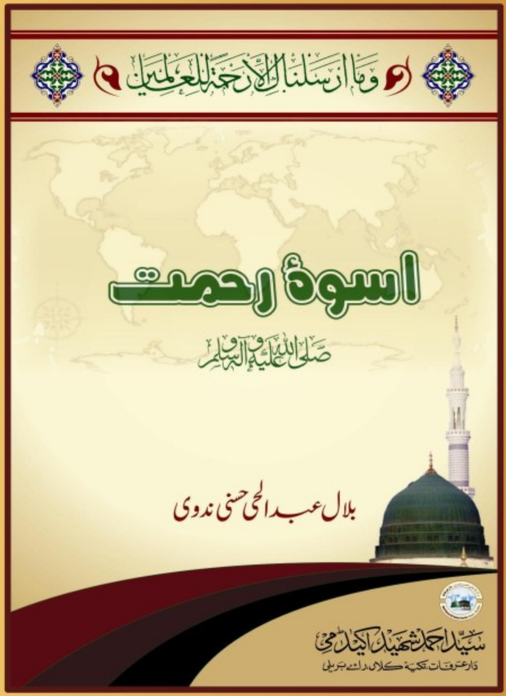

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)